حیدرآباد: شعر کے آئینہ میں

مطبوعات روزنامہ سیاست سلسلہ ۲۰

حیدرآباد شعر کے آئینہ میں

۴۰۰ سال میں حیدرآباد کو منظوم خراج عقیدت

مطبوعات روزنامہ سیاست سلسلہ ۲۰

اشاعت :- یکم / ستمبر ۱۹۹۱ء

تعداد :- ۵۰۰

قیمت :- ۱۵/- روپے

کمپوزنگ :- سیاست کمپیوٹر سکشن

طباعت :- انتخاب، پریس، حیدرآباد۔

ملنے کا پتہ

۱۔ ادبی ٹرسٹ بکڈپو (دفتر سیاست)

جواہرلال نہرو روڈ، حیدرآباد۔

۲۔ حسامی بکڈپو، مچھلی کمان، حیدرآباد۔

پیش لفظ

ہندوستان کے شہروں میں صرف حیدرآباد کو یہ فخر اور اعزاز حاصل ہے کہ اس شہر کی آب و ہوا تہذیب و تاریخ کو مشاہیر نے نثر اور نظم دونوں میں خراج تحسین پیش کیا ہے ۔ جواہرلال نہرو نے اس شہر کو ہندوستان کا دل کہا ۔ راجہ جی اور راجندر پرشاد نے اسے شمال اور جنوب کا سنگم کہا ۔ شاعروں نے بھی اس کی تحسین میں بڑے معرکتہ آراء اور یادگار شعر کہے ہیں ۔ بانی شہر محمد قلی قطب شاہ نے اس شہر کی خوشحالی اور ترقی کے لئے دعامانگی تھی ۔ قطب شاہی عہد میں فارسی میں کئی شعراء نے شعر کہے ہیں ۔ اردو میں ولی دکھنی ، غالب و ذوق اور داغ سے لے کر آج تک حیدرآباد کو شعری خراج تحسین پیش کیا گیا ۔ ہندوستان کے ممتاز شعراء ٹیگور اور سروجنی نائیڈو نے انگریزی میں ایک خاص انداز سے خراج تحسین پیش کیا ہے ۔ اقبال نے حیدرآباد کو تاریخ کے پس منظر میں دیکھا ہے ۔ حیدرآباد کے (400) سال میں لکھے ہوئے اشعار ہمارا علمی ادبی اور تہذیبی خزانہ ہے ۔ ہر شعر اپنی ایک تاریخ رکھتا اور عہد کی ترجمانی کرتا ہے ۔

جس طرح یہ بات مشہور ہے کہ جو حیدرآباد آتا ہے وہ یہیں کا ہوجاتا ہے یا اس شہر کا مداح اور اسیر ہوجاتا ہے ۔ اسی طرح ہر بڑے شاعر نے حیدرآباد کو منظوم خراج پیش کیا ۔ ان اشعار کا تحفظ بھی اب ایک اہم تہذیبی اور ادبی ضرورت ہے ۔ روزنامہ سیاست نے سنہ 1967 ء میں جناب وقار خلیل سے خواہش کی تھی کہ وہ حیدرآباد پر اشعار جمع کریں ۔ انہوں نے چند اچھے اشعار جمع کئے تھے جو سیاست اور بعض رسائل میں شائع ہوچکے ہیں ۔ وقار صاحب نے گذشتہ (20) برسوں سے یہ سلسلہ جاری رکھا ہے اور اب حیدرآباد کے (400) سال کے موقع پر اردو زبان کے ان اشعار کے ساتھ سروجنی نائیڈو اور ٹیگور کی نظموں کو بھی مرتب کیا ہے

اس طرح حیدرآباد کے اساتذہ سخن کے شعر ایک جگہ جمع ہوگئے ہیں جو ایک دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس انتخاب میں ضیاء الدین شکیب اور نورالدین صاحب نے بھی تعاون کیا ہے ۔ اس انتخاب میں بعض نظمیں بھی شریک ہیں جو حیدرآباد کے سیاسی اور سماجی پس منظر سے تعلق رکھتی ہیں جس میں جوش کی وہ نظم جس پر وہ معتوب ہوئے ، شامل ہے ۔ سکندر علی وجد ، امیر احمد خسرو اور کنول پرشاد کی نظمیں حیدرآباد کی تہذیبی عظمت کی منظوم داستانیں ہیں ۔ روزنامہ سیاست نے حیدرآباد کی (400) سالہ سالگرہ کے سلسلہ میں ممتاز و ماہر آثار قدیمہ غلام ربانی صاحب کی "شہر فسوں" کے علاوہ سیاست کی مطبوعہ کتابوں سے ایک انتخاب "حیدرآباد کے محلے" شائع کیا ہے اور حیدرآباد نے ادیبوں و شعراء کی جو خدمت کی اور انہیں عزت دی ہے اس کا تاریخی ریکارڈ آرکائیوز کے حوالے سے حیدرآباد اور بیرونی مشاہیر ادب آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے ۔ اب سیاست کی (20) ویں پیشکش "حیدرآباد شعر کے آئینہ میں" آپ کی خدمت میں پیش ہے ۔ اس کتاب کی ترتیب و تیاری میں وقار خلیل صاحب کے تعاون کو بڑا دخل رہا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ حیدرآباد پر کہے ہوئے اشعار کو جو ہمارا ادبی و تہذیبی خزانہ ہیں ، اسے نقاد ، مورخ اور دانشور اور اہل حیدرآباد پسند فرمائیں گے ۔

زاہد علی خاں
مینیجنگ ایڈیٹر

روزنامہ سیاست
مورخہ 20/ اگست 1991 ۔

سلطان محمد قلی شاہ معانی

مناجات

(نسبت تعمیر شہر حیدر آباد)

مناجات میرا تو سن یا سمیع
منجے خوش توں رکھ رات دن یا سمیع

مرے دوستاں کوں توں نت دے جنت
مرے دشمناں کوں اگن یا سمیع

اباداں کر ملک میرا سو توں
بسا سو توں دے میرا سن یا سمیع

سکل تخت پر میرا یوں تخت کر
انگوٹھی پہ جوں ہے نگین یا سمیع

مرا شہر لوگاں سوں معمور کر
رکھیا جوں توں دریا میں من یا سمیع

مرادات کا جم ترنگ سار قطب
اسے سارہت دے عنین یا سمیع

ملاوجہی

دکھن سا نہیں ٹھار سنسار میں

پنج فاضلاں کا ہے اس ٹھار میں

دکھن ہے نگینہ ، انگوٹھی ہے جگ

انگوٹھی کوں حرمت نگینہ ہی لگ

دکھن ملک کُھن دھن عجب ساج ہے

کہ سب ملک سر ہور دکھن تاج ہے

دکھن ملک بھوتیچ خاصہ اہے

تلنگانہ اس کا خلاصہ اہے

مثنوی کے منتخب اشعار

ملا غواصی

نذر عبداللہ قطب شاہ

جو شہر اس شاہ کا ہے حیدرآباد
سعادت ہور بقا اس کا ہے بنیاد

سراسر اس نگر کا جو ہوا ہے
دکھیاں کا سکھ، مریضاں کا دوا ہے

صفائی اس نگر کے جو ہیں بازار
ہزاراں اس میں چمناں ہوا گلزار

کتا ہوں سچ غلط نہیں کوچ حاشا
کہ ہے یاں ہفت کشور کا تماشا

عمارت یاں کی نادر میں کہوں کیا
کہ چرخ اپنے جنم میں کئیں نہ دیکھیا

غالب

ہند میں اہل تسنن کی ہیں دو سلطنتیں
حیدرآباد دکن رشک گلستان ارم

حیدرآباد بہت دور ہے اس ملک کے لوگ
اس طرف کو نہیں جاتے ہیں جو جاتے ہیں تو کم

○

حیدرآباد دکن روضہ رضواں شدہ است
سازوبرگِ طرب و عیش فراواں شدہ است

میر محمد مومن

گر صفاہاں نو شد از شاہ جہاں عباس شاہ
حیدرآباد از تو شد شاہا صفاہان نوی

ولی دکنی

ولی ایران و توراں میں ہے مشہور
اگرچہ شاعر ملک دکن ہے

ہے شمع کی نمن تو ہر اک چمن منیں
گلزار نو بہار ہے بیشک دکن منیں

دکنی زبان میں شعر سب لوگاں کہے ہیں اے ولی
لیکن نہیں بولیا ہے کوئی اک شعر خوشتر زین نمط

یو مکھ کی شمع سوں روشن ہے ہفت اقلیم کی مجلس
ولی پر وانگی کرنا تری ملک دکن بھیتر

فردیات

انیس

سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے
یارب آباد حیدرآباد رہے

مظہرجانجاناں

گشتہ رم محو سواد سبز خطان دکن
دل نشیں افتاد ، نقش حیدرآبادی مرا

حفیظ دہلوی

سواد حیدرآباد اس قدر دلچسپ ہے جس کو
حفیظ آتا ہے اکثر دیکھنے کشمیر کا عالم

ذوق

گرچہ ہے ملک دکن میں آج کل قدر سخن
کون جائے ذوق اب دلی کی گلیاں چھوڑکر

داغ دہلوی

بلدہ حیدرآباد

دلی میں پھول والوں کی ہے ایک سیر داغ

بلدہ میں ہم نے دیکھ لی سارے جہاں کی سیر

شہر ہے گلزاریوں ، خلق ہے گلرنگ یوں

جیسے چمن در چمن ، باغ میں پھولے گلاب

کھل جائیں آنکھیں دیکھتے ہی اس چمن کے پھول

رضواں کو ہم دکھائیں جو باغ دکن کے پھول

دلی سے چلو ، داغ کرو سیر دکن کی

گوہر کی ہوئی قدر سمندر سے نکل کے

حیدرآباد رہے تا بہ قیامت قائم

یہی اے داغ مسلمانوں کی اک بستی ہے

داغ

شیوہ راستی ایسا ہے دکن میں اے داغ
بل نہیں رکھتے مسلمان سے ہندو دل میں

نہیں حیدرآباد پیرس سے کچھ کم
یہاں بھی سجے ہیں مکاں کیسے کیسے

یوں ہی گر حسینوں کی آمد رہے گی
دکن رشک کشمیر و لاہور ہوگا

میں ہوا باد یہ پیماں طرف ملک دکن
سرمۂ چشم غزالاں ہوئی گرد دامن

منشی بشویشور پرشاد منور لکھنوی

دکن

حسین صبح دکن ہے ، حسین شام دکن
جمیل فرش دکن ہے ، جمیل بام دکن

یہ وہ زمیں ہے کہ ہے مہر و ماہ کی منزل
بہت بلند ہے مثل فلک مقام دکن

لگی ہے مہر صد اخلاص دانے دانے پر
ہر ایک مرغ چمن ہے اسیر دام دکن

یہ انقلاب زمانہ کا گوشکار ہے آج
مری نگاہ میں پھر بھی ہے احترام دکن

کبھی نہ ہوں گے فراموش صفحہ دل سے
وہ دن کہ جب شہ محبوب تھے نظام دکن

منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی

صف اہل سخن ہے اور میں ہوں
ادب کی انجمن ہے اور میں ہوں
دکن میں کر رہا ہوں شعر خوانی
ولی کا یہ وطن ہے اور میں ہوں
ارباب ادب سے ساز کرتا ہوں میں
باب تکریم باز کرتا ہوں میں
دیکھے ہیں کم ایسے میزبانان عظیم
ارباب دکن پہ ناز کرتا ہوں میں
جہاں رکھا قدم والد نے چوہتر برس پہلے
وہاں فرزند آکر اب نوا پرداز ہوتا ہے
کمالات افق کو منزلت جیسے ہوئی حاصل
منور بھی دکن میں درخور اعزاز ہوتا ہے

فراق گورکھپوری

حیدرآباد آہ یہ اک جنت قلب ونگاہ
ہائے یہ انداز دلکش ہائے اس کا بانکپن

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

دکن

جہاں فرد اپنی جگہ انجمن ہے
جہاں ہر کلی اک مہکتا چمن ہے
جہاں کی زمیں رشکِ چرخِ کہن ہے
جہاں شوخیاں ہیں ادا ہے پھبن ہے
جہاں سادگی میں بھی اک بانکپن ہے
جہاں رقص فرما ہوا موجزن ہے
جہاں شعریت ہے جہاں قدرِ فن ہے
جہاں علم و فن کے لئے اک لگن ہے
جہاں حیرت و زور کا بھی وطن ہے
جہاں انجمن واقعی انجمن ہے

جو سچ پوچھتے ہو سحرؔ تو وہ خطہ
دکن ہے دکن ہے دکن ہے دکن ہے

جگن ناتھ آزاد

فردیات

فاصلے کی تو خیر بات ہے اور
حیدرآباد دل سے دور نہیں

دلی میں یوں زبان پہ آئی دکن کی بات
صحرا میں چھیڑ دے کوئی جیسے چمن کی بات

بزم خرد میں چھڑ تو گئی ہے دکن کی بات
اب عشق لیکے آئے گا دارورسن کی بات

اک حسن دکن تھا کہ نگاہوں سے نہ چھوٹا
ہر حسن کو ورنہ بخدا چھوڑ گئے ہم

آزاد ایک پل بھی نہ دل کو سکوں ملا
رستے میں تھا دکن بھی کہیں لکھنو کے بعد

آزاد پھر دکن کا سمندر ہے روبرو
لے جا دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر

جگن ناتھ آزاد

دکن کی شام

قطعہ

یہ ساحل عرب پہ نظارا غروب کا
کتنی نظر نواز ہے اے دل عدن کی شام

اس شام کا اگرچہ کہیں بھی نہیں جواب
کیوں یاد آگئی ہے نہ جانے دکن کی شام

فردیات

یہ اتنا ذکر کیوں آخر دکن کی میزبانی کا   پذیرائی تری اے دل کہیں جب کم نہیں ہوتی

بس اتنی یاد ہی سیر دکن کو آج باقی ہے   جنوں مہمان تھا ہوش و خرد کی میزبانی تھی

لئے ہر موج میں کیف شبستاں دکن آئی   شمیم گل کا بھر کر روپ بوئے پیرہن آئی

نہ ٹوٹا زندگی میں سلسلہ آزاد یادوں کا   کبھی یادِ وطن آئی ، کبھی یادِ دکن آئی

پھر رنگ و بو سے دور بھٹکتی رہی نظر   ارض دکن کی ایک بہار چمن کے بعد
آزاد اب وہ سیر مسوری ہی کیوں نہ ہو   سیریں تمام ختم ہیں سیر دکن کے بعد

اے ارض دکن میں ترے ماحول پہ قرباں   جنت میں بھی آئے گی تری آب و ہوا یاد

چندولال شاداں

جس کا ہے نام شام سے لے روم تا عجم
ایسا ہے بادشاہ ہمارے دکن کے بیچ

شاداں ہر ایک ملک سے آتی ہے خلق یاں
ہے کس طرح کی سیر ہمارے وطن کے بیچ

امیر مینائی

اللہ اللہ رے بہار چمنستان دکن
حور پر ہے نہ یہ جوبن نہ پری پر یہ پھبن

احمد حسین مائل

مائل نے غزل لکھی ہے مومن کی غزل پر
تھی ہند کی اب ہوگئی دکھن کی زمیں یہ

عزیز یار جنگ

رہے یوں ہی سرسبز ملک دکن
یہ گلزار تا حشر پھولے پھلے

فصاحت جنگ جلیل

دکن میں آج بھی قدر کمال ہوتی ہے
جلیل اگلے زمانے کی تم نے خوب کہی

شبلی نعمانی

شبلی کو نہیں بار یہاں ملک سخن میں
حالی ہی کا سکّہ ہے جو چلتا ہے دکن میں

صفی اورنگ آبادی

خلق و تہذیب میں خدا رکھے
ہیں غنیمت بہت دکن کے لوگ

یگانہ چنگیزی

منھ موڑ کے لکھنو سے پہنچے ہیں دکن
تقدیر کہاں کہاں لئے پھرتی ہے

حیرت بدایونی

دیار حیدرآباد آج بھی تیری عنایت سے
دکن کا اصفہان و سنجر و تبریز ہے ساقی

میر عثمان علی خاں (آصف سابع)

قطعات

ہمیشہ گل ہے وابستہ چمن سے
ادھر عنبر بھی ہے مشک ختن سے
نہیں ممکن کہ چھوٹے دیکھ عثماں
محبت ہوگئی ملک دکن سے

روشن ہو ترا نام بھی بذل ونوال سے
محفوظ ترے تخت کو رکھے زوال سے
عثماںؔ یہ کہتے جاتے ہیں سب تیرے خیر خواہ
اہل دکن کی زیست ہے ترے خیال سے

نگاہ ناز وعشوہ کا عجب یہ بانکپن دیکھو
نزاکت میں بھی ظاہر ہے یہ کیسا گلبدن دیکھو
یہ دنیا کہتی جاتی ہے صداقت کی قسم کھاکر
عروج و شان وشوکت میں ذرا ملک دکن دیکھو

الطاف حسین حالی

دکن

یہ مقولہ ہند میں مدت سے ہے ضرب المثل
جو کہ جا پہنچا دکن میں ، بس وہیں کا ہو رہا
پارسی ، ہندو ، مسلماں یا مسیحی ہو کوئی
ہے دکن کو ہر کوئی اپنی ولایت جانتا

★

صحن گلشن میں کسی کام کو آئے کوئی
جائے گا بوے رہا سے معطر ہو کر
حیدرآباد بھی اک باغ ہے ماشاء اللہ
ہے جہاں فیض کا دروازہ کشادہ سب پہ

o

عزت قومی ترستی تھی صدا آنکھیں جب
آ کے بلدہ کے سوا نہ ملیں لگا اس کا پتہ

راگھوینڈر راؤ جذب

نذرِ حیدرآباد

جس وقت رہا قلی قطب شاہ دکن
اس وقت تھا پُرامن دکن کا گلشن
اس وقت مرا فخر بجا ہے اے جذب
کہتے ہیں جسے دکن، وہ ہے میرا وطن

○

گو بلبل و گل اب نہیں گلزار تو ہے
ہر طرح ہمیں قابل اظہار تو ہے
پروا نہیں وہ ہم میں نہیں ہے موجود
اے جذب ! مگر چہار مینار تو ہے

○

لاریب دکن میں وہ فرشتہ خو تھا
ہر سمت رہا یگانگت کا چرچا
اے جذب ! اگر ہوتا وہ ہم میں موجود
رہتا نہ یہاں آج زباں کا جھگڑا

○

صدیاں گزری ہیں ۔ قابل یاد تو ہے
اس کا ہر وصف قابل داد تو ہے
معدوم ہیں گو بھاگ متی کے جلوے
آثار میں اس کے حیدرآباد تو ہے

کنول پرشاد کنول

قطعہ

اس نے کتنی تباہیاں دیکھیں
اس کے زخموں کا کچھ حساب نہیں
باوجود اس کے اس زمانے میں
حیدرآباد کا جواب نہیں

پروفیسر وحیدالدین سلیم

طلبائے عثمانیہ کالج کے نام

اے مطلع عثمانیہ کالج کے ستارو ہمت نہ کبھی علم کی تحصیل میں ہارو

بھائی ہو تم آپس میں نہ بھولو یہ سبق تم گویا کہ ہو بس ایک صحیفہ کے ورق تم

اقرار وفا کرکے مکرنا نہ خبردار تسبیح کے دانے ہو بکھرنا نہ خبردار

تقریر جو کرنا ہو دل آزار نہ کرنا تلوار کا بھائی پہ کبھی وار نہ کرنا

تھے علم میں مشہور جو اسلاف تمہارے وہ عالم بالا سے یہ کرتے ہیں اشارے

چمکے گی اسی علم سے تقدیر تمہاری

یہ ملک تمہارا ہے، یہ جاگیر تمہاری

۱۹۳۸ء

جوش ملیح آبادی

حیدرآباد اے نگار گل بداماں السلام

حیدرآباد اے نگار گل بداماں السلام
السلام اے قصہ ماضی کے عنواں السلام

تو نے کی تھی روشنی میری اندھیری رات میں
مہر وماہ خوابیدہ ہیں اب بھی ترے ذرات میں

میرے قصرزندگی پر اے دیار محترم
تو نے ہی کھولا تھا ذوق علم کا زریں علم

تو نے ہی بندے کو بخشی تھی کلید اسرار کی
تو نے ہی زلفیں سنواری تھیں مرے افکار کی

تو ہی میرے روبرو اک آن سے پر تول کر
مسکرایا تھا محبت کا دریچہ کھول کر

ولولوں میں تیرے نغموں سے روانی آئی تھی
تیرے باغوں میں ہوا کھاکر جوانی آئی تھی

اے دکن، تیری زمیں کی رنگ رلیاں دل میں ہیں
پہلے جو زیرقدم تھیں اب وہ گلیاں دل میں ہیں

السلام اے بزم یاراں ، اے دیار دوستاں
آج اٹھارہ برس کے بعد آیا ہوں یہاں

کیا بتاؤں زشت میں ہوں اے دکن یا خوب ہوں
شہر کا محبوب ہوں اور شاہ کا معتوب ہوں
دی ہے رخشِ عمر کو گردوں نے اک مدت میں ایڑ
کل جواں رخصت ہوا تھا آج پلٹا ہوں ادھیڑ

لیکن اے میرے چمن ، میری جوانی کے چمن
اے دکن ، نسریں دکن ، سنبل دکن ، سوسن دکن
تجھ میں غلطاں ہے مرے دل کی کہانی آج بھی
پرفشاں تجھ میں ہے میری نوجوانی آج بھی
اب بھی ہے عثمان ساگر کی ہواؤں میں خروش
اب بھی آتی ہے ہواؤں سے صدائے جوش ، جوش
اس فضا میں ہے قیامت کا ترنم آج بھی
ثبت ہے اک دشمنِ جاں کا تبسم آج بھی
ولولے ناچے تھے جو گھنگھرو پہن کر پاؤں میں
آج بھی رقصاں ہے تیری بدلیوں کی چھاؤں میں
آؤ سینے سے مرے لگ جاؤ یارانِ دکن
بیشتر اس کے کہ روئے جوش کو ڈھانپے کفن

سکندر علی وجد

پیارے وطن کی جئے ہو

ہندو بجاریوں نے جس کو گلے لگایا	بدھ بھکشوؤں نے جس کو اپنا وطن بنایا
حصے میں جس کے گنج بندہ نواز آیا	تغلق نے جسکی خاطر اپنا چمن لٹایا

میرا وطن وہی ہے، پیارے وطن کی جئے ہو

خلجی نے جس کے صدقے میں راج پاٹ پایا	شاہ قلی نے جس پر اپنا مکاں بسایا
مغلوں نے جس زمیں پر برسوں لہو بہایا	رعنائیوں نے جسکی آصف کا دل لبھایا

میرا وطن وہی ہے، پیارے وطن کی جئے ہو

ہیروں سے جسکے تخت طاؤس جگمگایا	دست فنا سے جس نے اقوام کو چھڑایا
جس ملک نے عروس تہذیب کو سجایا	اردو زباں کو جس نے جینے کا گر سکھایا

میرا وطن وہی ہے، پیارے وطن کی جئے ہو

قدرت نے جس کو علم وفضل وہنر دیا تھا	جوش عمل دیا تھا، ذوق نظر دیا تھا
حیران تھا زمانہ، وہ کروفر دیا تھا	فطرت نے جسکی شب کو حسن سحر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے، پیارے وطن کی جئے ہو

جس کو جگت گرو نے نورس ثمر دیا تھا	گاواں نے نذر اپنا خون جگر دیا تھا
عنبر نے جس پہ سب کچھ قربان کردیا تھا	لاری نے جسکا دامن کشتوں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے، پیارے وطن کی جئے ہو

ہر پوت رام جس کا، ہر کنیا پدمنی ہے	عصمت کی ہے وہ دیوی، وہ بات کا دھنی ہے
ماضی و حال جس کا سو بار دیدنی ہے	بگڑی جہاں ہمیشہ اقوام کی بنی ہے

میرا وطن وہی ہے، پیارے وطن کی جئے ہو

قندیل جستجو پھر سینوں میں جل رہی ہے پیغام امن پہنچا حالت سنبھل رہی ہے
رسم کہن کی بیڑی آخر پگھل رہی ہے ان نخل آرزو کی جو شاخ پھل رہی ہے

میرا وطن وہی ہے ، پیارے وطن کی جئے ہو

ہر موج زندگی کی ، بھالوں اچھل رہی ہے دنیائے رنگ وبو کی رنگت بدل رہی ہے
مہکے گلوں کی نکہت سنکھے سے جھل رہی ہے جس باغ میں شمیم الفت مچل رہی ہے

میرا وطن وہی ہے ، پیارے وطن کی جئے ہو

صدیوں جہاں فروزاں شمع عمل رہی ہے انسانیت جہاں پھر سانچے میں ڈھل رہی ہے
جو سرزمین لعل و گوہر اگل رہی ہے اک مرد قوم جس کی گودی میں پل رہی ہے

میرا وطن وہی ہے ، پیارے وطن کی جئے ہو

سکندر علی وجد

حیدرآباد

فضا جاں فزا ، ذرّہ ذرّہ حسیں ہے
حقیقت میں ملک دکن گل زمیں ہے

اگر مہر و الفت کی جنت کہیں ہے
تو بے شک یہیں ہے ، یہیں ہے ، یہیں ہے

زمانہ دل آزار ہے بھی تو کیا غم
مجھے تیری دلداریوں کا یقیں ہے
نفاست برستی ہے دیوار و در سے
تری خاک میں نکہت یاسمیں ہے

تری یاد ، یاد وطن سے ہے خوشتر
ترا ذکر تسکین قلب حزیں ہے

بہشت نظر ، مرغزار غزالاں
ہوا تیری موج مئے وانگبیں ہے

بہت خوش نما شہر دیکھے ہیں میں نے
مگر تیرا جادو کہیں بھی نہیں ہے

اکبر وفاقانی

نیا پل اور شام

شام کی سندر فضا میں درد کی تنویر ہے
ہر طرف طوفان نغمہ ہر طرف طغیان نور
نور کی سرگرمیوں میں غرق ایوان بلند
گنبدوں پر نور کی پرچھائیاں ہیں پُر بہار
ایک جانب ہے عدالت اک طرف دارالشفاء
سامنے دارالکتب کی دل نشیں تعمیر ہے
رودِ موسیٰ پر نیا پل دہر کی تصویر ہے

خواب دوشیزہ کی میرے سامنے تصویر ہے
حضرت انساں کی سرگرمی میں گم شور طیور
شام کی دیوی نے بڑھ کر پھینک دی اپنی کمند
اور فضا پر چھا گیا ہے نور و ظلمت کا غبار
دور پر اک مدرسہ ہے نیند میں کھویا ہوا
جسکی خشت و گل میں عقل و ہوش کی تخمیر ہے
جسکی دو رنگی میں دونوں دور کی تعمیر ہے

ایسے خوش منظر میں میری ذات ہے کھوئی ہوئی
جاگتی ہے آنکھ اور تقدیر ہے سوئی ہوئی

بدر شکیب

حسین ساگر کی شام

مائل بہ سکوں فضا ہے ساری — فطرت پہ ہے بے خودی سی طاری

دامن مغرب کا شعلہ رو ہے — خورشید کا خون آرزو ہے

تالاب کا دور سے وہ منظر — رنگیں سیماب کا سمندر

پھیلی ہوئی نور کی ردا ہے — چشم گیتی فلک نما ہے

موجوں میں نہیں وہ اب تلاطم — فطرت کے لبوں پہ ہے تبسم

آسودگی چھاگئی جہاں پر — خاموشی ہے کتنی روح پرور

دن رات میں جذب ہورہا ہے

اپنی ہستی کو کھورہا ہے

میر یسین علی خاں - (لندن)

گولکنڈہ

" ہر شئے مسافر، ہر چیز راہی " کیا تخت وتاج اور کیا بادشاہی
اس سرزمیں کا ہر ایک ذرہ غماز نقش وزدیدہ پائی

وزدیدہ پا تھے ظل الہی ، گیتی پناہاں وہ قطب شاہاں
تھا جن کے دم تک یہ گولکنڈہ قصر سلیماں شہر چراغاں

پر کیف منظر، خوش رنگ وخوشتر، فردوس اصغر تھا اس زمیں پر
ہر شب قیامت ہر روز محشر قلعے کے اندر تھا اس زمیں پر

نیلم کا مخزن ہیروں کا معدن کہتے تھے جس کو یہ وہ جگہ ہے
بھولے فرشتے نظریں بچاکر تکتے تھے جس کو یہ وہ قلعہ ہے

قطب قلی سا شاہ مظفر، رشک سکندر رہتا تھا اس میں
صوفی وشاعر، جوگی بروگی ، ماہر فسوں گر رہتا تھا اس میں

معمار مسجد ، بانی مندر ، مرد قلندر رہتا تھا اس میں
لگتے تھے جس کے سب تیر دل پر ایسا ستم گر رہتا تھا اس میں

قلعے کے باہر موسی کنارے ، رہتی تھی چنچل ناداں گوری
زلفوں کی رنگت ، بھونرا سی کالی ، آنکھیں نشیلی باتیں بٹیلی

تیر نظر نے اس کج ادا کے اک دن اڑایا دل کا نشانہ
کچھ کام آیا لاؤ نہ لشکر ، رعب شہانہ ، شاہی خزانہ

طوفاں کے دھارے گاتے ہیں ابتک ، دلکش ترانہ تیرا فسانہ
جو سر سے کھیلے اس کی ہے شیریں جو دل پہ کھیلے اس کا زمانہ

یہ شہر میرا الفت نگر ہے ذروں میں اس کے خون جگر ہے
ڈالو نہ اس پر مشکوک نظریں ہر قطرہ اس کا شیر وشکر ہے

چار مینار

حکیم یوسف حسین خاں

ایک مینار نہیں "چار منار"
سربلندی و سرافرازی میں گردوں بہ کنار
حسن عظمت کا مقدس شہہ کار
عظمت حسن کا ناقابل انکار اقرار
زینت ملک نگار
نازش شہر و مضافات وعروسان دیار
اپنی زیبائش ابروسے مگر عار صد عار!
یا تو آئینہ دکھاتا ہے ایاز کہسار
منہ کو دھلواتی ہے یا خادمہ ابر بہار
کہکشاں شب دیجور پہ شانہ کا مدار
صرف مینار نہیں، چار منار
سرزمیں تیرہ و تار
خطہ ارض دکن دشت قیامت آثار
وہ فلک جس میں ثوابت سے گریزاں سیار
نہ قراروں کو سکوں اور نہ سکونوں کو قرار
لشکر قوت تخریب کی پیہم یلغار
زندگی سر بہ گریباں، ہمہ دم بر سر دار
زندگی زار و نزار
زندگی جنس گراں مایہ وارزاں بازار
کس کو اصرار
کہ ایسے میں بناتا مینار
ایک مینار نہیں "چار منار"؟
دفعتاً گونج اٹھی موت کے سر پر للکار
ہوشیار!
اے اجل ہمت مرداں۔ ہشیار!

دفعتاً برق صفت، برق عمل، برق سوار
فکرِ فردا کا جبینوں پہ غبار
لے کے تیشہ سے چمک اور کدالوں سے نکھار
دفعتاً چند جیالے معمار
جن کو جینے کا جنوں، جن کو جلانے کا شعار
موت پر ٹوٹ پڑے، کرنے لگے وار پہ وار
سنگ دینے لگے رنگین شرار
پھر سنی زیست نے آپ اپنی پکار
خواب سوتے سے ہوئے شب بیدار
چھا گیا پھر افق خفتہ پہ ہلچل کا خمار
لے کے شانوں پہ دواموں کی بہار
سر اٹھانے لگے بے باک مجسم انکار
بے ثباتی میں ثباتوں کے فلک بوس منار
ایک مینار نہیں "چار منار"!
جانتے تھے وہ وطن کے معمار
اس دوامی ابدی ارضِ دکن کے معمار
چند روزہ ہے بس انسان کے جینے کی بہار
اور وہ کرتے رہے، کرتے رہے آدرش سے پیار
اور وہ دیتے رہے، دیتے رہے پتھر کو قرار
ان کا کہنا تھا چٹانوں کا ہے مرنا دشوار
موت کا وار
پہاڑوں کے دلوں پر بیکار
اور جو سوچا تو انہوں نے یہی سوچا ہر بار
کیوں نہ بے موت کو جانوں کی خراجیں دی جائیں
ہم اسی طرح جئیں گے کہ۔ یہ پتھر جی جائیں!
اور ابھرتے گئے ویرانے میں چٹیل آثار
حرمتِ زیست کے بنتے گئے مغرور حصار
موت کی زد سے پرے، وقت کی تخریب کے پار
بے یقینی کے خرابہ پہ یقینوں کے منار
ایک مینار نہیں۔ "چار مینار"

(خواب زلیخا، ۱۹۶ء سے)

بشیر النساء بیگم بشیرؔ

حدیثِ دکن

نہ پوچھ ! اس کی حقیقت کہ آج کیا ہے دکن
وقار ہند کا باعث بنا ہُوا ہے دکن

کسے نصیب یہ عزت ، یہ شانِ خودداری
نظر میں ہر کہ و مہ کی کھُبا ہوا ہے دکن

وہ کوہ نور ، وہ ہیرے نہ ہوں بھی تو کیا غم
جواہراتِ ادب سے بھرا ہوا ہے دکن

کیا ہے غیر ممالک سے بے نیاز ہمیں
وہ گیان مان کی گنگا بہارہا ہے دکن

معاشرت میں ، تمدن میں اور ہر اک فن میں
ترقیوں کے مناظر پہ آگیا ہے دکن

یہاں عروج ہے ، دولت ہے ، امن حاصل ہے
شہنشہانِ سلف کی دلی دعا ہے دکن

یہ فیض ہے شہ عثماں کی حکمرانی کا
کہ یاد عظمت رفتہ دلارہا ہے دکن

مسلّمہ ہیں معارف نوازیاں اس کی
کہ سایہ گسترِ عالم ، فلک نما ہے دکن

صفت ہے خاص مساوات اور رواداری
اسی نظام شریعت پہ چل رہا ہے دکن

ہے فیض عام بلا قید مذہب و ملت
عدو کی آنکھ کا تارا بنا ہوا ہے دکن

بشیرؔ مجھ کو ہے پیارا وطن کا ہر ذرّہ
کہ میرے ہر رگ و پے میں بسا ہوا ہے دکن

کنول پرشاد کنول

حیدرآباد کی جھلکیاں

اسنے کتنی تباہیاں دیکھیں
باوجود اسکے ، اس زمانے میں

اسکے زخموں کا کچھ حساب نہیں
حیدرآباد کا جواب نہیں

جس پہ برسی اسکے دامن کی پھوار
دیکھیئے ارض دکن کی دلکشی

وہ یہاں کی مستیوں میں کھوگیا
جو یہاں آیا ، یہیں کا ہوگیا

جب بھی گھر آئے ، کوئی دل والا
پھول دنیا بچھائے ، سواگت میں

اسکو پلکوں پہ ہم بٹھاتے ہیں
ہم دکن والے دل بچھاتے ہیں

آج ہیں ویراں ، محل بس پیار کے
جو دکن تھا ، کعبہ اہل جنوں

پہیت کے مینار سارے ڈھ گئے
اب وہاں ہندو مسلماں رہ گئے

اہل دل آج بھی ہیں کچھ باقی
اے دکن ! تیرے غم کے ماروں میں
جلتا دامن ، برستی آنکھ لئے
ہم بھی بیٹھے ہیں سوگواروں میں

امیر احمد خسرو

شہر نگاراں

حیدرآباد جسے شہر نگاراں کہیئے
کسی شاعر کے خیالوں کی حسیں دنیا ہے
اس کی مٹی میں محبت کے کنول کھلتے ہیں
اس کے سینے میں قطب شاہ کا کردار بھی ہے
اس کی بانہوں میں بسی بھاگ متی کی دنیا
مسجدیں بھی ہیں منادر بھی ہیں گرجا گھر بھی
صبح آتی ہے مسرت کے پیامات لئے
شام کے دوش پہ لہراتا ہے رنگیں آنچل
اس لئے میر کی ، غالب کی غزل کہتے ہیں

رنگ رخسار سحر حسن بہاراں کہیئے
گل عذاروں کی ، غزالوں کی حسیں دنیا ہے
ذرّہ ذرّہ میں دھڑکتے ہوئے دل ملتے ہیں
وضعداری بھی ہے ، اخلاص بھی ہے ، پیار بھی ہے
جگمگاتا ہے جہاں چاند رواداری کا
نکہت ونور میں ڈوبا ہوا ہر منظر بھی
زندگانی کے مہکتے ہوئے نغمات لئے
شب کی آغوش میں کھلتا ہے گلستان غزل
شہر کو میرے سبھی تاج محل کہتے ہیں

سوچتا ہوں نئے ماحول میں کیا بات ہوئی
مدتوں بعد سحر آئی تو کیوں رات ہوئی

پیار کے شہر میں نفرت کی ہوائیں کیوں ہیں
ہر طرف بغض و عداوت کی صدائیں کیوں ہیں

کس لئے شہر کی گلیوں سے دھواں اٹھتا ہے
درودیوار سے اک شورفغاں اٹھتا ہے

حسن و اخلاق ومروت کا نگر جلتا ہے
مرکز شعروادب ، علم وہنر جلتا ہے

گھر اجڑتے ہیں کہیں جینے کا حق لٹتا ہے
اپنی تاریخ کا اک ایک ورق لٹتا ہے

جہل کے ہاتھ میں چلتی ہوئی تلواروں میں
زندگی سہمی ہوئی پھرتی ہے بازاروں میں

آنکھ روتی ہے دل زار کا دم گھٹتا ہے
پیار کے شہر میں اب پیار کا دم گھٹتا ہے

سوچتا ہوں نئے ماحول میں کیا بات ہوئی
مدتوں بعد سحر آئی تو کیوں رات ہوئی

کیا سبب ہے کہ محبت کا چلن ٹوٹ گیا
راستہ منزلِ مقصود کا کیوں چھوٹ گیا
کس لئے رہروِ منزل نہیں ملنے پاتے
ہاتھ ملتے ہیں تو کیوں دل نہیں ملنے پاتے

آؤ یہ عہد کریں آؤ یہ اقرار کریں
اپنے ماضی کی طرح مل کے رہیں پیار کریں
ایک ہوجائیں تو تقدیر بدل سکتے ہیں
کارواں لیکے نئی راہ پہ چل سکتے ہیں
اک نئی فصل اجالوں کی اگا سکتے ہیں
آگ تاریک چٹانوں پہ جلا سکتے ہیں
اپنے قدموں پہ ستاروں کو جھکا سکتے ہیں
ایک ہوجائیں تو تاریخ بنا سکتے ہیں

شاہد صدیقی

حیدرآباد

میرا آغوش ہے گہوارہ آثار قدیم
علم وانسانیت وعیش کا دربار قدیم

میرے ہر حال میں ماضی کے فسانے پنہاں
میری مٹی میں جواہر کے خزانے پنہاں

کج کلا ہوں کی ضرورت نے بسایا ہے مجھے
بادشاہوں کی محبت نے سجایا ہے مجھے

وہ نہ سمجھے گا جو اسرار سے بیگانہ ہے
رود موسیٰ کی خموشی میں اک افسانہ ہے

فخر کیوں مجھ کو نہ حاصل رہے افتادوں پر
میری تعمیر ہوئی عشق کی بنیادوں پر

وہ زمانہ مرے نزدیک ابھی زندہ ہے
میں سمجھتا ہوں مری بھاگ متی زندہ ہے

کی بڑی شان سے مہمان نوازی میں نے
گولکنڈہ کے پیاسوں کو جگہ دی میں نے

جوش سیلاب نے جھولے میں جھلایا ہے مجھے
انقلابات نے پرواں چڑھایا ہے مجھے

نقش ماضی جو تصور میں ابھر آتا ہے
" چارمینار " نگینہ سا نظر آتا ہے

میں نے دیکھے ہیں زمانے کے بدلتے ہوئے رنگ
صلح غیروں سے کبھی اور کبھی اپنوں سے بھی جنگ

میری گلیوں سے دیران جہاں گذرے ہیں
صف شکن ، تیغ بکف ، نعرہ زناں گذرے ہیں

جنتوں سے مرے باغوں میں ہوا آتی ہے
بعض پھولوں سے ابھی بوئے وفا آتی ہے

بادشاہانِ اولوالعزم کا مدفن ہوں میں
بجلیاں جس میں ہیں آسودہ وہ خرمن ہوں میں

ہیں بہت عہد گذشتہ کے دفینے مجھ میں
ذوق پختہ ہو تو ملتے ہیں خزینے مجھ میں

اب بھی روشن ہے بلندی پہ ستارا میرا
ظلمتیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں سہارا میرا

شمع ہے نورفزا شاد ہے محفل میری
اب بھی پروانوں سے آباد ہے محفل میری

فضل الرحمٰن

دکن کا دلدادہ

بچپن یہیں گذرا ، یہیں گذری ہے جوانی
ہر ذرّہ ہے یاں کا مرے جیون کی کہانی
اس قصۂ رنگیں کو یہیں ختم کروں گا
موت آئے گی جس وقت وطن ہی میں مروں گا
مرنا بھی یہیں ہے مجھے جینا بھی یہیں ہے
ساگر بھی کنارا بھی سفینہ بھی یہیں ہے

اب ملک دکن چھوڑ کے جاؤں گا کہاں میں
پھر ایسے سکھی دیس کو پاؤں گا کہاں میں

یہ جسم مرا جب اسی مٹی سے بنا ہے ،
تن من میں یہی رنگ یہی روپ بسا ہے
جب دل میں سمائے ہیں یہی دن یہی راتیں
سکھ چین کے سامان یہ چاہت کی یہ باتیں ،
ماں باپ ، بہن ، بھائی اور احباب یہاں ہیں
کملی میں مگن رہنے کے اسباب یہاں ہیں
یاں اپنے پرائے میں کوئی بیر نہیں ہے
گویا کہ سب اپنے ہیں کوئی غیر نہیں ہے

اب ملک دکن چھوڑ کے جاؤں گا کہاں میں
پھر ایسے سکھی دیس کو پاؤں گا کہاں میں

گھر بار لٹادوں گا میں اس ملک کی خاطر
جاں اپنی گنوادوں گا میں اس ملک کی خاطر
فردوس کی مانند سنواروں گا میں اس کو
جوں یاد خدا دل میں اتاروں گا میں اس کو
ارمانوں کی کھیتی ہے امیدوں کا چمن ہے
اے ابر کرم دیکھ ، غریبوں کا وطن ہے

اب ملک دکن چھوڑ کے جاؤں گا کہاں میں
پھر ایسے سکھی دیس کو پاؤں گا کہاں میں

خورشید احمد جامی

حیدرآباد

جگمگاتی ہوئی یادوں کے حسین آنچل میں
آج پھر قافلہ صبح و مسا ٹھہرا ہے

شہر کے دل کے دھڑکنے کی صدا تیز ہوئی
پیار کی چھاؤں میں اک گیت نے لی انگڑائی
دور ، تاریخ کی بے تاب گزرگاہوں سے
کتنے پھولوں کی مہک لے کے محبت آئی
ہر طرف اب بھی ہم آغوش ہے تعبیروں سے
ایک دلدار کے خوابوں کی جواں رعنائی
حسن کے نام سے باقی ہے چمک تاروں کی
عشق کے پاس ہے انداز چمن آرائی

تیری تہذیب کی راہوں میں لٹائے ہوں گے
دیدہ و دل کی امنگوں نے خزانے کتنے !
ان فضاؤں میں ہے احساس وفا کی خوشبو
یہ در و بام سناتے ہیں فسانے کتنے !
تیرے ماتھے پہ ہے الماس و گہر کی تابش
تیرے ہونٹوں پہ ہیں بیدار ترانے کتنے !
تیری شاداب بہاروں سے گلے ملتے ہیں
زندگانی کے اجالوں میں زمانے کتنے !

جگمگاتی ہوئی یادوں کے حسین آنچل میں
آج پھر قافلہ صبح و مسا ٹھہرا ہے

اے مرے شہر کے لوگو

جہاندار افسر

چار مینار کے اس شہر میں رہنے والو!
چار مینار کا مطلب کیا ہے ؟
ایک مینار سے اخلاص کا ملتا ہے سبق
دوسرا جذبہ اخلاق و مروت کا نشاں
تیسرا مظہر احساس رواداری ہے
چوتھا مینار اشارہ ہے سرافرازی کا

"چار مینار" فقط ایک عمارت ہی نہیں
اس کے کنگوروں سے جلتے ہیں بصیرت کے چراغ
چار مینار کو جو غور سے دیکھے کوئی
ہوگا محسوس
دو انسانوں کے ہاتھ
آسماں کی طرف اس طرح سے اٹھے ہوئے ہیں
جیسے اس شہر کی عظمت کی دعائیں مانگیں
کس کے یہ ہاتھ ہیں
کتنی صدیوں سے یہ مصروف دعا ہیں آخر
سوچتا ہوں جو کبھی
چار مینار کی محرابوں سے آتی ہے صدا
ہیں قطب شاہ کے ،اخلاص کے پھیلے ہوئے ہاتھ
ان کی محبوبہ کی، ممتا کی کھلی باہیں ہیں
تاکہ یہ شہر رہے تابندہ
تاکہ یہ شہر رہے پائندہ
چار مینار کے اس شہر میں رہنے والو!
چار مینار کے چمکیلے کلس
دھندلے دھندلے سے ہوئے جاتے ہیں
جس طرح کہتے ہوں

شہر وہ کیا؟ جہاں اخلاص کا جذبہ ناپید
شہر وہ کیا؟ جہاں اوزار و قلم کے بدلے
نوک خنجر کی فراوانی ہو
شہر وہ کیا؟ جہاں مسجد پہ بھی حملہ ہو جائے
شہر وہ کیا؟ جہاں مندر بھی نہ بخشا جائے
شہر وہ کیا؟ جہاں شادی کی براتیں بھی لٹیں
اور میت کے جلوسوں سے تباہی ہو جائے

دوستو! سوچو تو

اس شہر کا انجام جہاں فاطمہ، مریم و سیتا کا تقدس نہ رہے
چھین کر پھول سے بچوں کی کتابیں کوئی
خود کو اک ثانی سہراب سمجھ لیتا ہو
دیکھ کر شہر کی اس حالت کو
چار مینار لرز جاتا ہے

چار مینار کے اس شہر میں رہنے والو!
آؤ یہ عہد کریں
شہر پامال نہ ہونے پائے
شہر جو شہر وفا ہے اپنا
وہ کہیں شہر خموشاں نہیں ہونے پائے
اے مرے شہر کے لوگو! اٹھو!
چار مینار امانت ہے طرحداروں کی
اس امانت میں خیانت نہیں ہونے پائے
چار مینار کی تہذیب نہ مٹنے پائے
چار مینار نہ گرنے پائے

جمیل الدین عالی

دوہے

حیدرآباد کا ملک جو دیکھا تھا انگریز کا نوٹ
جب تک ساکھ رہے چاندی ہے پرکھ لیا تو کھوٹ

دو اندھیاروں میں کل عالی بن گئی اپنی بات
ایک طرف تھی دکنی ابلا ۔ ایک طرف تھی رات

حیدرآباد کا شہر تھا بھیّا ' اندر کا دربار
ایک ایک گھر میں سو سو کمرے ۔ ہر کمرے میں نار

گئے تلنگانے بھی عالی دیکھے واں کے ڈھنگ
تن پاپی تو یوں ہی رہا ۔ پر من ہوا ان کے سنگ

واہ تلنگانے کی مائیں جنیں جو ایسے لال
جو اندر سے ہیرے موتی ۔ باہر سے کنگال

اطہر راز۔ (لندن)

حیدرآباد دکن

حیدرآباد کو دیکھا تو نہیں تھا میں نے
لوگ اس شہر کے افسانے سناتے تھے مجھے
وقت کی دھوپ میں ڈھلتا ہوا مغلوں کا شباب
ایک گرتی ہوئی دیوار تمدن کہ جہاں
سایہ دولت احساس بہ انداز کرم
مرکز اہل نظر عظمت رفتہ کا بھرم
میں نے اس شہر کو دیکھا تو نہیں تھا لیکن

جب بھی اردو کی ترقی کا سوال آتا ہے
حیدرآباد کا لندن میں خیال آتا ہے

گونجتی تھی اسی وادی میں صدائے مخدوم
اسی وادی میں سنا کرتے تھے امجد کی صدا
داد لیتی تھی اسی شہر سے فکر اقبال
سینکڑوں اہل قلم داد اسے دیتے تھے
اس کی تصویر تصور میں ابھر آتی ہے
میرے احساس کے سانچوں میں اتر جاتی ہے
میں تو اس شہر کو دیکھا تو نہیں تھا لیکن

جب بھی اردو کی ترقی کا سوال آتا ہے
حیدرآباد کا لندن میں خیال آتا ہے

عزیز قیسی

اسی کی خاک سے نسبت تھی خاکسار رہے

دکن سے دور تھے پھر بھی غم دکن تو ملا

اکبر حیدرآبادی

مجھ کو لندن کی فضا راس نہ آئی اب تک

حیدرآباد سا دلدار کہاں سے لاؤں

قمر ساحری

ہر شہر اس زمین کا شہر دکن بنے

میرا لہو جہاں بھی گرا ہے چمن بنے

مسلم ضیائی

دکن کی سرخرو صبحو، دکن کی سانولی شامو

تمہارے چاہنے والے ابھی تک یاد کرتے ہیں

حسن چشتی۔امریکہ

دکن گئے تو ملے فرش راہ دیدہ و دل

خلوص کیا ہے؟ یہ ہم نے وطن میں جانا ہے

غریب شہر ہیں، لیکن کلاہ کج ہے حسن

یہ بانکپن تو ہمارا بہت پرانا ہے

نامی کوہ سوار شاہ پوری

دکن کی سرزمیں گلدستہ ہے اک باغ رضواں کا
جہاں پہ آکے پھلتا پھولتا ہے ، نخل انساں کا

یہ وہ گھر ہے کہ جس میں ربط ہے ہندو مسلماں کا
نہیں ہے جس جگہ خدشہ کسی کو چرخ گرداں کا

عشرت کرتپوری

آنکھوں میں بس گئی ہے کسی شوخ کی طرح
ہر اک قدم پہ یاد دکن میرے ساتھ ہے

صادق

ستائے گئے جب اپن دیس میں
چلے آئے صادق دکن دیس میں

سکندر علی وجد

سالار جنگ میوزیم

کیا دولت بیدار ہے ارباب ہنر کی
قیمت ہے یہاں ہیچ زر و لعل و گہر کی
یہ گنج گراں مایہ تہذیب و تمدن
معراج ہے حسن عمل و ذوق نظر کی

گولکنڈہ

علامہ اقبال کی ایک طویل نظم کے چند شعر

آہ جو لانگاہ عالمگیر یعنی وہ حصار
دوش پر اپنی اٹھائے سینکڑوں صدیوں کا بار

زندگی سے تھا کبھی معمور اب سنسان ہے
یہ خموشی اس کے ہنگاموں کا گورستان ہے

اپنے سکان کہن کی خاک کا دلدادہ ہے
کوہ کے سر پر مثال پاسباں استادہ ہے

خوابگہ شاہوں کی ہے یہ منزل حسرت فزا
دیدہ عبرت ! خراج اشک گلگوں کر ادا

ہے تو گورستاں، مگر یہ خاک گردوں پایہ ہے
آہ ! اک برگشتہ قسمت قوم کا سرمایہ ہے !

مقبروں کی شان حیرت آفریں ہے اس قدر
جنبش مژگاں سے ہے چشم تماشا کو حذر

کیفیت ایسی ہے ناکامی کی اس تصویر میں
جو اتر سکتی نہیں آئینہ تحریر میں

سوتے ہیں خاموش آبادی کے ہنگاموں سے دور
مضطرب رکھتی تھی جن کو آرزوئے ناصبور

قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک
جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبیں گستر فلک

کیا یہی ہے ان شہنشاہوں کی عظمت کا مآل
جن کی تدبیر جہانبانی سے ڈرتا تھا زوال

اشک باری کے بہانے ہیں یہ اجڑے بام و در
گریہ پیہم سے بینا ہے ہماری چشم تر

دل ہمارے یاد عہد رفتہ سے خالی نہیں
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں

اقبالؔ

دکن

کیا کہوں اس بوستان غیرت فردوس کی
جس کے پھولوں میں ہوا اے ہم نوا میرا گذر

جس کے ذرے مہر عالمتاب کو سامانِ نور
جن کی طور افروزیوں پر دیدہ موسیٰ نثار

جس کے بلبل عندلیب عقل کل کے ہم صفیر
جس کے غنچوں کے لئے رخسارِ حور آئینہ دار

خطّہ جنت فضا جس کی ہے دامن گیر دل
عظمت دیرینۂ ہندوستاں کی یادگار

جس نے اسم اعظم محبوب کی تاثیر سے
وسعت عالم میں پایا صورت گردوں وقار

نور کے ذرّوں سے قدرت نے بنائی یہ زمیں
آئینہ ٹپکے دکن کی خاک اگر پائے فشار

سروجنی نائیڈو
ترجمہ۔ کامل الحسن حبیب الحق

میرے شہر کے نغمے

۱۔ ایک جالی دار بالاخانے کے اندر

مری جاں میں کیسے کروں تیری خاطر ؟
سنہرے سرخ شہد سے اور پھل سے

میں کیوں کر کروں تجھ کو مسرور جاناں ؟
مجیرے و بنسی کی آواز سے

ترے گیسوؤں میں میں کیا ہار ڈالوں ؟
چنبیلی کے حالے سے لیں کلیوں کے

تری انگلیاں کس عطر میں بھگوؤں ؟
گلاب اور کیوڑے کی خاصیت کے

پہناوں کیا تجھ کو، مری سب سے پیاری ؟
جو رنگ فاختہ اور طاوس کے ہیں

تجھے کیسے پاوں، مری سب سے پیاری ؟
محبت کی پرلطف خاموشیوں سے

SONGS OF MY CITY

I. IN A LATTICED BALCONY

How shall I feed thee, Beloved?
On golden-red honey and fruit.
How shall I please thee, Beloved?
With th' voice of the cymbal and lute.

How shall I garland thy tresses?
With pearls from the jessamine close.
How shall I perfume thy fingers?
With th' soul of the keora and rose.

How shall I deck thee, O Dearest?
In hues of the peacock and dove.
How shall I woo thee, O Dearest?
With the delicate silence of love.

...SAROJINI NAIDU

سروجنی نائیڈو
ترجمہ۔ کامل الحسن حبیب الحق

حسین ساگر

اپنے محبت بھرے انداز میں صبح نو تجھ پر ڈورے ڈالتی ہے
غروب آفتاب کے مسافر بادل
تیرے درخشاں چہرے کا حسن پیتے، رکتے اور منڈلاتے ہیں
پر تیری اندرونی تجلی کا راز کوئی نہیں جان سکتا
کیونکہ تیرا غمزے باز روپہلا پن
جس پر اسرار نیلاہٹ اور جس لطیف گلابی پن کو
اپنے میں چھپائے ہے وہ
صرف تیری جان جاں، ہوا کے زیر اثر ہے
تیری چمکتی لہریں صرف اس کے لئے
جھلملاتی موسیقی، جو اس کے اشارے پر ہوتی ہے
ظاہر کرتی ہیں
اے جھیل! اے میری روح کی زندہ عکس
میری طرح تو
ایک وفاداری پر قائم رہتی ہے!

THE HUSSAIN SAGAR

THE young dawn woos thee with his amorous grace,
The journeying clouds of sunset pause and hover,
Drinking the beauty of thy luminous face,
But none thine inmost glory may discover,
For thine evasive silver doth enclose
What secret purple and what subtle rose
Responsive only to the wind, thy lover.
Only for him thy shining waves unfold
Translucent music answering his control;
Thou dost, like me, to one allegiance hold,
O lake, O living image of my soul.

...SAROJINI NAIDU

سروجنی نائیڈو
شاذ تمکنت

حیدرآباد کی شام

فلک پہ رنگوں کا جمگھٹا ہے
کہ فاختہ کا گلو ہو جیسے
تمام نیلم تمام مرجاں
نگینے جیسے جڑے ہوئے ہوں
وہ شہر کا بابِ اولیں ہے
سفید دریا چمک رہا ہے
سنہری چنگاریاں سی جیسے نکل رہی ہیں
اذاں کی آواز آ رہی ہے
کہ شہر کے بام و در پہ جیسے
فضاؤں میں پرچمِ جنگ پھڑ پھڑائے
دریچے جاگے
اداس چہرے، چمکتے چہرے
پسِ نقاب وقار و شوکت
دریچے جاگے
سنو کہ چاندی کی گھنٹیوں کی صدائیں گونجیں
کہ ہاتھیوں کی قطار گلیوں میں گھومتی ہے
سواریوں کا ہجوم دیکھو
وہ چار مینار جس کے اطراف شور و غل ہے
وہ ساز و آہنگ، رقص و مستی
کہ شور و غل جس میں کھو گیا ہے
وہ شہر کا پل دمک رہا ہے
کہ رات شاہانہ آ رہی ہے
کہ جیسے ملکہ رواں ہو جشنِ طرب کی جانب

سروجنی نائیڈو
ترجمہ۔ کامل الحسن حبیب الحق

۲۔ حیدر آباد کے بازاروں میں

تم کیا بیچتے ہو، ارے او بیوپاریو
تمہارا تو ساماں سجا شان سے ہے؟
شملے، لال و سیمیں
چوغے، اودے زربفت کے
آئینے، کھرماں سے بنے حاشیوں کے
الیشم کے دستوں والی کٹاریں

یہ کیا تولتے ہو تم اے پنساریو؟
کیسر اور دال اور چاول
تم کیا پیستی ہو، اری دوشیزاؤ؟
صندل کی لکڑی اور مہندی، مسالے۔
یہ کیا ہو پکارتے تم اے پھیری والو؟
شطرنج کے مہرے، ہاتھی دانت کے پاسے

تم کیا ہو بناتے ارے او سنارو؟
انگوٹھی اور کنگن اور پائل
گھنٹیاں، نیلے کبوتروں کے واسطے
نازک ایسے جیسے پتنگے کے پر ہوں
سونے کے ٹیکے نرتکیوں کے واسطے
سونے کی نیا میں، شہنشاہ کے واسطے

تم کیا ہو پکارتے ارے او پھل والو؟
چکوترا، انار اور کشمش
تم کیا بجاتے ارے موسیقارو؟
ستار اور سارنگی اور طبلہ
تم کیا جپ رہے ہو ارے ٹونے والو؟
آتے یگوں کے لئے ایک منتر

تم کیا بن رہی ہو ارے پھول والیو
نیلی و لال جھالروں کو لئے؟
اک دولھے کی پیشانی کے واسطے اک تاج
اسکے بستر پہ گجرے سجانے کو ہار۔
سفید تازہ پھولوں کی چادریں
مرچکوں کی نیند مہکانے کے واسطے!

II. IN THE BAZAARS OF HYDERABAD

(To a tune of the Bazaars)

WHAT do you sell, O ye merchants?
Richly you wares are displayed.
Turbans of crimson and silver,
Tunics of purple brocade,
Mirrors with panels of amber,
Daggers with handles of jade.

What do you weigh, O ye vendors?
Saffron and lentil and rice.
What do you grind, O ye maidens?
Sandalwood, henna, and spice.
What do you call, O ye pedlars?
Chessmen and ivory dice.

What do you make, O ye goldsmiths?
Wristlet and anklet and ring,
Bells for the feet of blue pigeons,
Frail as a dragon-fly's wing,
Girdles of gold for the dancers,
Scabbards of gold for the king.

What do you cry, O ye fruitmen?
Citron, pomegranate, and plum.
What do you play, O musicians<
Sithar, sarangi, and drum.
What do you chant, O magicians?
Spells for the aeons to come.

What do you weave, O ye flower-girls
With tassels of azure and red?
Crowns for the brow of a bridegroom,
Chaplets to garland his bed,
Sheets of white blossoms new-gathered
To perfume the sleep of the dead.

...SAROJINI NAIDU

HUMAYUN YAR KHAN

"HYDERABAD - CITY OF LOVE"

Fair City of Love and Laughter and Grace
born when a mighty Sultan bowed
before the idol of a beauteous maid
and kept his tryst with fate.

Then from the hallowed land arise
the spires of a dreaming paradise
of marble palaces and gilded domes
and arches and pillars of a thousand stones
and in their midst
four-square the Minar stands
topped
by a temple and a mosque.

The "naubat" serenades
at dusk and dawn
when Hill and Lake
meet in love's embrace
and temple bells and muezzins' calls
mix in mystic hymns
and peasant and prince
the Song of Glory sing.

And there in the shade of ancient walls
where the Moosi meanders with stately pace
the fragrance vendors string and sell
garlands of jasmin and rose
for four "annas" or more
whilst amid piles of diamonds and gems
hennaed hands and veiled flashing eyes
search for purest pearls
in the Street of Brides
and in the motley bustling crowd
to the beggars' cries and shouts
a Raja humbly throws
pieces of silver and gold.

Here, once, were heard
the unspoken words
of melodies the heart-beats make
here, once, beneath the midnight stars
and under the summer moons
the heady wine of life
did fully taste.

ONCE.....

But mourn not the wistful thought
time flows in many moods
and now and then the moment holds
then moves on
to its destined close

When you and I are gone, dear friend of old,
others will surely find
the grass a little greenier
than yours or mine.

Poem composed on the occasion of the 4th Centenary celebrations of the City of Hyderabad (Deccan) in London.

مخدوم محی الدین

بھاگ متی

پیار سے آنکھ بھر آتی ہے کنول کھلتے ہیں
جب کبھی لب پہ ترا نام وفا آتا ہے

دشت کی رات میں بارات یہیں سے نکلی
راگ کی رنگ کی برسات یہیں سے نکلی
انقلابات کی ہر بات یہیں سے نکلی
گنگناتی ہوئی ہر رات یہیں سے نکلی

دھن کی گھنگھور گھٹائیں ہیں نہ ہُن کے بادل
سونے چاندی کے گلی کوچے نہ ہیروں کے محل
آج بھی جسم کے انبار ہیں بازاروں میں
خواجہ شہر ہے یوسف کے خریداروں میں

شہر باقی ہے ، محبت کا نشاں باقی ہے
دلبری باقی ہے ، دلداری جاں باقی ہے
سر فہرستِ نگاراں جہاں باقی ہے
تو نہیں ہے تری چشم نگراں باقی ہے

پیار سے آنکھ بھر آئی ہے کنول کھلتے ہیں
جب کبھی لب پہ ترا نام وفا آتا ہے

'Koh-i-Stan'

"From the distance, thou didst appear barricaded in rocky aloofness Timidly I crossed the rugged path, to find here, all of a sudden, An open invitation in the sky, and friends' embrace in the air, Revealed to me a shelter of loving intimacy".

Hyderabad
23rd December, 1933.

... *Ravindranath Tagore.*

Nightfall In Hyderabad

See how the speckled sky burns like a pigeon's throat,
Jewelled with embers of opal and peridote.
See the white river that flashes and scintillates,
Cured like a tusk from the mouth of the city-Gates,
Hark, from the minaret, how the Muezzin's call
Floats like a battle-flag over the city wall.
From trellised balconies, languid and luminous
Faces gleam, veiled in a splendour voluminous
Leisurely elephants wind through the winding lanes,
Swinging their silver bells hung from their silver chains.
Round the high Charminar sounds of gay cavalcades.
Blend with the music of cymbols and serenades,
Over the city bridge Night comes majestical,
Borne like a queen to a sumptuous festival.

...*SAROJINI NAIDU*

حیدرآباد شعر کے آئینہ میں

۴۰۰ سال میں حیدرآباد کو منظوم خراج عقیدت

مطبوعات روزنامہ سیاست سلسلہ ۲۰

مطبوعات سیاست